طاہر سلیم قصوری

# بطلِ حریت مولانا سید محمد داؤد غزنوی رح

## انہوں نے ہندو کے مکروہ عزائم کو بروقت بھانپ لیا تھا

یوں تو دنیا میں ہر روز انسان پیدا بھی ہوتے ہیں۔ اور مرتے بھی ہیں۔ یہاں پر کسی کے لیئے بقا نہیں۔ کل من علیها فان ویبقیٰ وجه ربك ذو الجلال والاکرام۔ یہاں تو انسان پیدا ہی اس لیئے ہوتا ہے۔ کہ ایک نہ ایک دن اسے صیادِ اجل کے ترکش ناز کا نخچیر ہونا پڑتا ہے۔ کل نفس ذائقة الموت لیکن اس دنیا میں بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جو مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔ یعنی ان کے کارناموں کی بدولت ان کا نام زندہ رہتا ہے۔

حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی رح مرحوم برصغیر پاکستان و بھارت کے ان راہنماؤں میں تھے۔ جو اپنے علم و عمل کے اعتبار سے بھی بلند مقام و مرتبہ پر فائز تھے۔ اور جنہوں نے ملک و ملت کی آزادی استخلاص وطن اسلام کی سربلندی اور برتری کے لیئے بھی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے تھے۔ اور اس سلسلے میں ہر طرح کی مشکلات مصائب و آلام اور تکالیف کا خندہ پیشانی سے سامنا کیا تھا۔

سید مرحوم فکر و نظر اور جہد و عمل کے ایک خاص عہد کی پیداوار تھے۔ اس عہد نے واقعتہً ہماری قومی صفوں میں بڑے بڑے آدمی پیدا کیئے۔ سید مرحوم گویا اس محفل کا آخری چراغ تھے۔ اور اس کارواں کے آخری سالار تھے۔ یہ عجب ستم ظریفی ہے کہ وہ ایسے ملک میں پیدا ہوئے۔ جہاں دشمن کم ظرف اور دوست بے حوصلہ ہیں۔ کسی چیز کی بہتات ہے۔ تو وہ حاسدوں کا گروہ ہے۔ علم کی کمی۔ ذوق کی محرومی۔ جہد کی نامرادی ایثار کے فقدان۔ استقامت کی جان کنی اور رفافت کی بے بصری نے اپاہجوں کی ایک جماعت پیدا کر دی ہے۔ جو اپنی محرومیوں کا انتقام دوسروں کی

کامیابیوں سے یینتی اور اپنی خاکستر ہی ہیں سلگتی رہتی ہے۔

سید مرحوم اس خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ جنہوں نے اس برعظیم ہیں توحید کی شمع روشن کی۔ اور شرک و بدعت کے خلاف ساری عمر جہاد کیا۔ یہ عظیم خاندان علم و عمل کا گہوارہ رہا۔ جس کی ایک ایک کرن آفتاب جہاں تاب بن کر چمکی۔ زندگی کے ہر شعبہ میں قوم کو درس حیات دیا۔ حق و باطل کا وہ کون سا معرکہ ہے جسے سر نہ کیا ہو۔ دین حق کی تبلیغ و اشاعت کا وہ کون سا مرحلہ ہے۔ جہاں اس خاندان نے علمی گوہر افشانی نہ کی ہو۔ جہاد کا میدان ہو۔ یا اتحاد کا۔ علمی ہو یا تبلیغی سیاسی ہو یا معاشی کالج کا ماحول ہو یا اسمبلی کا ایوان۔ ہر جگہ غزنوی علماء صف اول ہیں دکھائی دیتے ہیں۔

یہ ہے وہ خاندان جس ہیں سید داؤد غزنوی پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد افغانستان کے تاریخی شہر غزنی سے ہجرت کر کے وارد ہند ہوئے تھے۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ مولانا سید محمد غزنوی کے دادا مجاہد فی سبیل اللہ عارف و سالک باللہ سید محمد عبداللہ غزنوی تھے۔ جنہیں اٹھارویں صدی کے اواخر ہیں اس وقت کے افغان حکمران امیر دوست محمد خاں نے توحید و سنت کی تبلیغ خلاف اسلام رسومات کی تردید اور کلمۃ اللہ الحق بلند کرنے کی پاداش ہیں ملک بدر کر دیا تھا۔ آپ اپنے بارہ بیٹوں کے ہمراہ جو سب جیّد عالم تھے۔ پہاڑوں جنگلوں اور غاروں ہیں چھپتے چھپاتے روانہ ہوئے۔ اور اس حال ہیں بھی پولیس تعاقب ہیں تھی۔ لیکن کوئی مشکل بھی ان راہ حق کے مسافروں کو متزلزل نہ کر سکی۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہے۔ اور ہند ہیں آنے کے بعد پہلے امرتسر کے قریب ایک گاؤں خیر دیکے ہیں کچھ عرصہ قیام کیا۔ اور پھر امرتسر چلے آئے۔ جس محلہ ہیں آپ نے قیام کیا۔ وہ بعد ہیں غزنوی محلہ سے موسوم ہوا۔

سید عبداللہ غزنوی کے ایک صاحبزادے سید امام عبدالجبار غزنوی تھے جو علم و عمل اور زہد و اتقاء ہیں اپنی مثال آپ ہونے کے ساتھ علوم قرآن و حدیث ہیں سند کا درجہ رکھتے تھے۔ انہوں نے مدرسہ تقویۃ الاسلام غزنویہ کے نام سے

امرتسر میں ایک درس گاہ جاری کی۔ جو تقسیم برِ صغیر کے بعد لاہور شیش محل روڈ میں منتقل ہوئی۔ اور مولانا سید محمد داؤد غزنوی کی سرپرستی اور انتظام و انصرام میں جاری رہی۔ اور ان کے بعد سید ابو بکر غزنوی مرحوم سابق وائس چانسلر جامعہ اسلامیہ بہاولپور کی نگرانی میں چلتی رہی۔ سید ابو بکر غزنوی کے انتقال کے بعد ان کے برادر اکبر سید عمر فاروق غزنوی اس پودے کی آبیاری کرتے رہے۔ آخر وہ بھی اس فانی سے عالم بقا کی طرف کوچ کر گئے اور اب اس کا انتظام و انصرام مولانا سید داؤد غزنوی رح کے بھتیجے جناب سید محمد عثمان غزنوی کے سپرد ہے۔ جسے وہ پوری جانفشانی سے بنھا رہے ہیں۔

سید محمد داؤد غزنوی اگست ۱۸۹۶ء امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار حضرت الامام سید عبد الجبار غزنوی اور عم محترم مولانا سید عبد الاول غزنوی سے حاصل کی۔ پھر دہلی تشریف لے گئے۔ جو ان دنوں علوم و فنون کا مرکز تھا۔ وہاں آپ شیخ الکل میاں سید نذیر حسین دہلوی محدث کے مدرسے میں داخل ہوئے۔ اور مشہور عالم باعمل اور بہت بڑے محدث مولانا محمد عبد اللہ غازی پوری کی صحبت میں رہ کر قرآن و حدیث کے علوم میں مہارت حاصل کی۔ وہاں فقہ منطق اور فلسفہ کی تکمیل کی۔ آپ کی تربیت نہایت پاکیزہ اور صاف ستھرے ماحول میں ہوئی۔ اور آپ میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں۔ جو خاندان غزنویہ کا طرۂ امتیاز رہی ہیں۔ تصوف کا ذوق۔ فکری بلندی۔ علمی گہرائی۔ زہد و تقویٰ۔ جذبہ حق گوئی۔ ذکر و فکر۔ اخلاق کی بلندی۔ ملنساری اور وسیع النظری آپ میں یہ تمام بلند اوصاف موجود تھے۔

مولانا سید محمد داؤد غزنوی جب فارغ التحصیل ہونے کے بعد واپس امرتسر آئے۔ تو اس وقت انگریزی حکومت کا رعب و دبدبہ سارے برِ صغیر پر چھایا ہوا تھا۔ لیکن وطن کی آزادی کی خاطر عملی جدوجہد کا آغاز ہو چکا تھا۔ آپ آزادی پسند طبیعت کے مالک تھے۔ اس لئے تحریک آزادی میں شامل ہو گئے۔

مولانا داؤد غزنوی در اصل اس قافلۂ حریت کی گمشدہ متاع تھے۔ جنہیں انگریزوں نے دار پر کھینچا۔ اور جن کی بدولت برِ صغیر میں ولولۂ حریت پیدا ہوا۔

اسی قافلہ کے سالار شاہ اسمٰعیل شہید تھے۔

برِّصغیر کی تاریخ میں ۱۹۱۹ء کا سال جلیانوالہ باغ کے حادثے کی وجہ سے یادگاری ہے دوسری طرف ترک انگریز کیخلاف صف آراء تھے۔ اور مسلمانان ہند کی ہمدردیاں ترکوں کے ساتھ تھیں۔ اس زمانہ میں تحریک خلافت کا آغاز ہوا۔ مولانا سید داؤد غزنوی خلافت کمیٹی کے بانیوں میں سے تھے۔ جلیانوالہ باغ میں مولانا غزنوی اور ان کے بھائی مولانا اسمٰعیل غزنوی کا خطاب تھا۔ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی جنرل ڈائر نے گولیاں چلاکر سینکڑوں لوگوں کو خاک وخون میں تڑپا دیا۔

اس حقیقت سے شاید کم لوگ واقف ہوں۔ کہ پنجاب کے علماء میں سے وہ پہلے عالم دین تھے۔ جنہوں نے تحریک خلافت کے زمانہ میں انگریزی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ مولانا غزنوی ہی تھے۔ جنہوں نے امیر شریعت سید عطاء اللہ بخاری مرحوم کو منبر و محراب سے اٹھا کر وادی سیاست و جہاد میں کھڑا کر دیا تھا۔ خود شاہ جی رح اس کا اعتراف فرماتے تھے۔ اور یہ امر واقعہ ہے۔ کہ امرتسر کی دینی زندگی میں سیاسی ہلچل کا آغاز انہی کی بدولت ہوا۔

انہیں پنجاب میں علماء کی جنگ آزادی کا پہلا سالار کہا جا سکتا ہے۔ فرنگی استبداد کے خلاف ہمیشہ برسرپیکار رہے اور اسی جرم کی پاداش میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے۔

ہم نے اس وقت سیاست میں قدم رکھا تھا۔
جب سیاست کا صلہ آہنی زنجیریں تھیں

۱۹۲۱ء میں جمیعت علماء ہند کی تشکیل ہوئی۔ تو اس کی تاسیس و تشکیل میں مولانا نے اہم کردار ادا کیا۔ اور مدتوں نائب صدر رہے۔ اور اس وقت خلافت کمیٹی معرض وجود میں آئی۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ تحریک آزادی زوروں پر تھی۔ مولانا نے اپنی خطابت سے سامراج کے خلاف نفرت کی آگ لگا دی۔ اس جرم میں گرفتار ہوئے۔ اور میانوالی جیل میں تین سال کے لئے نظر بند کر دیے گئے۔ رہا ہونے پر پہلے سے بھی زیادہ آوازۂ حق بلند کیا۔ دوسری مرتبہ ۱۹۲۵ء میں پکڑے گئے۔ تیسری دفعہ ۱۹۲۷ء میں سائمن کمیشن کا بائیکاٹ میں دھر لیے گئے۔ ۱۹۲۹ء میں چند خلافتی

ساتھیوں کو ساتھ لے کر مجلس احرار اسلام کی بنیاد ڈالی۔ مجلس احرار میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے تعاون و اشتراک سے انہوں نے مجلس کے پہلے سیکریٹری کی حیثیت سے دو اڑھائی برس کے مختصر عرصے میں اسے ایک منظم اور رجحان دار تحریک بنا دیا۔ ۱۹۳۲ء میں احرار نے تحریک کشمیر شروع کی۔ تو برصغیر کے ہزاروں رضا کاروں کے ساتھ آپ بھی دار و رسن کی آزمائش سے دو چار ہوئے۔ دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی۔ تو ڈیفینس آف انڈیا کی دھجیاں بکھیر دیں۔ ۱۹۴۲ء میں جب کانگرس نے ہندوستان چھوڑ دو۔ کی مہم شروع کی۔ تو مولانا کانگرس میں شامل ہو گئے۔ اور اس مہم میں بھرپور حصہ لیا۔ اور گرفتار بھی ہوئے۔ مولانا کی اعلیٰ خدمات کے پیش نظر آپ کو کانگرس پنجاب کا صدر منتخب کر لیا گیا۔ اور اسی کے ٹکٹ پر پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ اور یہ ۱۹۴۵ء کا زمانہ تھا۔ دھاریوال کی لیبر سیٹ سے آپ کامیاب ہوئے تھے۔

یہ بات قابل ذکر ہے۔ کہ اس وقت پورے پنجاب میں مولانا غزنوی تنہا تھے۔ جو لیگی امیدوار کے مقابلے میں کانگرس کے ٹکٹ پر جیتے تھے۔ اور اس انتخاب میں مولانا کی ذاتی شخصیت اور خاندانی وجاہت کو دخل تھا۔ لوگوں نے جماعتی کشمکش سے علیحدہ ہو کر مولانا غزنوی کو ووٹ دیئے تھے۔ اور یہ ان کی ہردلعزیزی کا واضح ثبوت ہے۔

اس کے بعد تاریخ اس موڑ پر پہنچ گئی۔ جہاں یہ یقین ہو گیا۔ کہ انگریز کا اقتدار اس ملک میں زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکتا۔ تو سوال پیدا ہوا۔ کہ انگریزوں کی رخصتی کے بعد یہاں مسلمانوں کی مجلسی مذہبی اور سیاسی حیثیت کیا ہو گی۔؟ یہ نہایت اہم سوال تھا۔ مگر حریت پسند مسلمانوں میں ان کی بھی کمی نہ تھی۔ جو (پورے خلوص کے باوجود) یہ امر نہ سمجھ سکے۔ اور کانگرس سے کسی تسلی بخش توثیق کے بغیر اس خیال پر قائم رہی۔ کہ انگریزوں سے جنگ فریضۂ اوّلین ہے۔ باقی بعد میں دیکھا جائے گا۔ درحقیقت دوسری عالمگیر جنگ کے خاتمے پر انگریزی استعمار کی چولیں ڈھیلی ہو چکی تھیں۔ اور آزادی ہند کا چہرہ صاف نظر آنے لگا تھا۔ مگر ہمارے اکابر انگریز دشمنی میں اس قدر آ گئے تھے۔ کہ نیک

نیتی سے اپنے پرانے طریقے پر چلتے رہے۔ لیکن مولانا سید داؤد غزنوی کانگرس کے اندر اعلیٰ عہدے پر فائز رہنے کے باوجود یہ محسوس کر لیا۔ کہ بانئ پاکستان مسلمانان ہند کے لیے جس سیاسی حیثیت کی توثیق چاہتے ہیں۔ وہ اس میں برحق ہیں۔ نوافقہ کی ا وہ وقت آن پہنچا تھا۔ جب مسلمان اپنی مستقل حیثیت کو تسلیم کرانے کے لیے متفق و متحد ہو جائیں۔ چنانچہ سیاسی بصیرت اور دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے حضرت غزنوی کانگرس سے علیحدہ ہو کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ اس پر انہیں پرانے رفقاء کے طعنے بھی سننے پڑے۔ مگر ان کا فیصلہ صحیح تھا۔ اور اس کی تائید بعد کے واقعات نے کر دی۔

مولانا کی شمولیت سے مسلم لیگ کو بے حد تقویت حاصل ہوئی۔ انہوں نے ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کا طوفانی دورہ کیا۔ اور مسلمانوں کے سامنے ہندو و انگریز کے عزائم بے نقاب کیے۔ اور ان کے خلاف آگ لگا دی۔ مولانا کی مسلم لیگ میں شمولیت کے بعد لاہور کی پہلی میٹنگ میں ان کی تقریر ڈان دھلی نے رپورٹ کی تھی۔ انہوں نے اس موقع پر فرمایا۔ کہ ہم نے کانگرس کے پلیٹ فارم سے اس لیے قربانیاں نہیں دی تھیں۔ کہ آج اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے مسلمان بھائیوں کو غیر مسلموں کے ہاتھوں اتنی بے دردی سے ذبح ہوتے دیکھیں۔ اور انگریز کے جانے کے بعد اب تک کے لیے ہندوؤں کی غلامی میں چلے جائیں۔ انہوں نے مسلمانوں سے اپیل کی۔ کہ وہ برصغیر میں اسلام کی سربلندی کے لیے متحد ہوں۔

مسلم لیگ کی طرف سے سول نافرمانی کے پہلے روز ہی نواب ممدوٹ مولانا غزنوی اور دیگر ارکان گرفتار کر لیے گئے۔ رہائی کے بعد تحریک چلانے کی ذمہ داری ان کے کندھوں پر آن پڑی۔ اسی تحریک کے سلسلے میں قائداعظم سے ان کی مفصل ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات میں وہ قائد کی ذہانت سیاسی تدبیر اور فراست سے بہت متاثر ہوئے۔

قیام پاکستان کے بعد دوبارہ صوبائی اسمبلی کے ممبر منتخب ہو گئے۔ عوامی لیگ میں بھی شمولیت اختیار کی۔ غرض اس اعتبار سے وہ ایک سرگرم مستعد پر جوش اور ہنگامہ پرور زندگی رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں ایک بہادر انسان

کی بہت سی خوبیاں رکھ دی تھیں۔ وہ سر دے سکتے تھے۔ لیکن سودا نہیں کر سکتے تھے۔ مولانا داؤد غزنوی اعلیٰ درجہ کے منتظم بھی تھے۔ قیام پاکستان کے باعث اہل حدیث حضرات کی جماعتی تنظیم آل انڈیا اہل حدیث کانفرس کا تنظیمی ڈھانچہ بھی چوپٹ ہو گیا۔ سید داؤد غزنوی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے۔ کہ مولانا محمد اسماعیل (گوجرانوالہ) اور چند دیگر اہل حدیث اکابرین کے ساتھ مل کر مرکزی جمعیت اہل حدیث کے نام سے ایک تنظیم قائم کی۔ اس کے پہلے ناظم اعلیٰ بھی آپ منتخب ہوئے۔ باقاعدہ دستور تیار کیا گیا۔ لٹریچر وغیرہ کی اشاعت کے لئے ادارہ اشاعۃ السنۃ اور تدریسی اور تعلیمی خلا کو پورا کرنے کے لئے فیصل آباد میں جامعہ سلفیہ کی بنیاد رکھی۔ کچھ دیر وہاں کے مدرس بھی رہے۔ غرضیکہ مولانا غزنوی نے اپنی جماعت کی ترقی و خوشحالی کے لئے بہت کوشش کی۔ مولانا کا یہ کارنامہ تاریخ اہل حدیث کا منفرد باب ہے۔ آج بعض ہوس پرست اقتدار پسندوں نے جماعت اہل حدیث کا اتحاد پارہ پارہ کر دیا۔ اور اس کا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔ ناظم اعلیٰ کے لفظ سے کس طرح چمٹے ہوئے ہیں۔ کہ سنگ مرمر کی سل پر اپنا نام نہاد نام کندہ کرا رکھا ہے۔

مولانا سید محمد داؤد غزنوی کی محنتوں کو غارت کر رہے اور مولانا اسمٰعیل سلفی کی کاوشوں کو غلط کہہ رہے ہیں ــــــ نہ سمجھو گے۔ تو مٹ جاؤ گے۔ تمہاری داستان تک بھی نہ ہو گی۔ داستانوں میں جماعت اہل حدیث کے لئے یہ عظیم المیہ ہے ..........

۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت اور اس کی تحقیقات کے لئے حکومت کی طرف سے سابق چیف جسٹس مسٹر منیر اور جسٹس ایم آر کیانی پر مشتمل ایک عدالت مقرر کی گئی۔ سب جماعتوں کے الگ الگ وکیل تھے۔ جو تحقیقاتی عدالت کے سامنے اپنا اپنا نقطہ نظر پیش کرنے تھے۔ تحفظ ختم نبوت کے سبھی راہنما نظر بند تھے۔ مذہبی جماعتوں کے متحدہ محاذ کی مجلس عمل کے ناظم اعلیٰ مولانا سید داؤد غزنوی اور وکیل سید حسین شہید سہروردی تھے۔ مولانا غزنوی مسٹر سہروردی کو تیاری کروایا کرتے تھے۔ لیکن مسئلہ میں کچھ ایسی پیچیدگیاں تھیں۔ کہ سہروردی مرحوم وکالت چھوڑ گئے اور وکالت و نمائندگی کا سارا بوجھ مولانا کے کندھوں پر پڑ گیا۔ ان کی مدلل بحث اور

زوردار دلائل سے مرعوب ہوتے ہوئے جسٹس کیانی نے ایک دفعہ کہا۔ مولانا اگر میرے بس میں ہوتا۔ تو میں آپ کو وکالت کا سرٹیفکیٹ دے دیتا۔

جسٹس منیر نے سوال کیا۔ کہ آپ کے دادا عبداللہ غزنوی کو غزنی سے اس لئے جلا وطن کیا تھا۔ کہ وہ اہل حدیث مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ اور احناف انہیں قطعاً برداشت نہ کرتے تھے۔ مولانا نے برجستہ جواب دیا۔ کہ یہ وجہ نہیں تھی۔ بلکہ اسلئے انہیں نکالا گیا تھا۔ کہ وہ بہت بڑے ولی اللہ تھے۔ ان کا حلقہ ارادت بہت وسیع تھا۔ حکومت کو اپنے استحکام کی فکر پڑ گئی تھی۔ جسٹس منیر نے یہ سوال مسلمانوں کے وسیع اختلاف کے ثبوت پر کیا تھا۔ لیکن مولانا صاف نکل گئے۔ جسٹس منیر نے پھر سوال کیا۔ کہ آپ غیر اللہ کے وظیفہ کرنے والے کو مشرک کہتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا۔ کہ یہ کہنے والے کی نیت پر منحصر ہے۔ ہر شخص مشرک نہیں ہوتا۔ ابھی آپ نے یہ الفاظ کہے۔ لیکن آپ نے شرک کا ارتکاب نہیں کیا۔ وہ پھر دام سے بچ گئے۔

جسٹس منیر نے پھر گھیرتے ہوئے مولانا غزنوی سے سوال کیا۔ مولانا آپ عبدالوہاب نجدی کو اپنا مذہبی رہنما مانتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ عبدالوہاب نامی شخص ہمارا کوئی رہنما نہیں۔

منیر صاحب نے اپنی بات پر اصرار کرتے ہوئے کہا۔ کہ عبدالوہاب آپ کا راہنما ہے۔ حضرت غزنوی نے سختی سے انکار کیا۔ کہ نہیں ہے۔ جب دو تین دفعہ تکرار ہوئی۔ تو منیر صاحب بوکھلا گئے۔ مولانا بھی اس بوکھلاہٹ کو بھانپ گئے۔ اور کہنے لگے۔ شاید آپ کی مراد محمد بن عبدالوہاب سے ہے۔ جسٹس کہنے لگے۔ ہاں میری مراد یہی ہے۔ فرمایا وہ عبدالوہاب نہیں۔ محمد بن عبدالوہاب ہے۔ منیر صاحب کہنے لگے۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ مولانا نے فرمایا۔ واہ۔ آپ باپ اور بیٹے میں کوئی فرق نہیں سمجھتے۔ اس کے بعد جسٹس منیر کو سوالات کرنے کی جرأت نہ ہو سکی

قیام پاکستان سے قبل الہ آباد میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ مولانا غزنوی بھی شریک ہوئے۔ تمام سکھ۔ مسلم اور ہندو لیڈر موجود تھے۔ کانفرنس میں سکھوں نے اعلان کیا۔ کہ اگر پنجاب میں ہمیں مناسب مراعات نہ دی گئیں۔ تو ہم خون کی ندیاں

بہا دیں گے۔ مختلف تقریروں کے بعد جب مولانا غزنوی سٹیج پر جلوہ گر ہوئے۔ اور اپنے ایمانی لہجہ میں جاہ وجلال سے گرجے۔ اور فرمایا کہ "میں خیالی خون کی ندیوں میں تیرتا ہوا صلح کے ساحل کی امید میں الہ آباد پہنچا ہوں۔ اگر کوئی مصفا صلح کی تجویز سامنے آئے تو انشاء اللہ ہم اسے قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اگر نہ ہو سکے تو خون ہماری تاریخ میں کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ اور نہ ہی ہم اس سے ناواقف ہیں"۔

ان الفاظ کے بعد مولانا غزنوی مجمع پر چھا گئے۔ مولانا نے جوں ہی تقریر ختم کی۔ تو مولانا ظفر علی خان رح نے فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے۔

قائم ہے ان سے ملت بیضاء کی آبرو
اسلام کا وقار ہیں داؤد غزنوی رح
رجعت پسند کہنے لگے ان کو دیکھ کر
آیا ہے سومنات میں محمود غزنوی رح

ساز و سامان کے ساتھ ہم نے محمود غزنوی کو نکلتے دیکھا۔ اور بے سرو سامانی میں ہم نے داؤد غزنوی کو نکلتے دیکھا۔ وہ قیدی بنانے کے لئے نکلا۔ اور یہ قیدی بننے کے لئے نکلا۔

اور دور حاضر کا یہ غزنوی دسمبر ۱۹۶۳ء کے تیسرے ہفتے اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں